بسم اللہ الرحمن الرحیم

حُزن

ہما تنویر

پیشِ لفظ

یہ کہانی انڈیا کے ایک ایسے گاؤں سے ہے جہاں پنچائیتی نظام ایک وقت میں اپنے عروج پر تھا!لوگوں کی زندگیاں اُنہی جرگوں کے فیصلوں کے ماتحت تھیں، سردار کا فیصلہ حرفِ آخر مانا جاتا تھااور معصوم سی زندگیوں کے ننھی پلکوں پر سجنے والے خواب بھی اُنہی جرگوں کی نذر ہوئے، ارمان ٹوٹے، خواب بکھر گئے، الفاظ دم توڑ گئے۔زندگی جینے کی بجائے گزارنے پر اکتفا کیا گیا!

وقت کی آزمائشیں اور وقت کے دیے گئے دکھ انسان کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔اس ناول میں بھی آپ کو یہی سب دیکھنے کو ملے گا کہ انسان کتنا بے بس ہوتا ہے، اور اُس کے اختیارات کتنے محدود ہوتے ہیں اس وسیع جہاں میں۔۔

تعلیم کی کمی اور شعور کی آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے کیسے انسان ہی ایک دوسرے کے دلوں کو کچل دیتے ہیں!اس ناول میں اپنوں سے ملنے والے دھوکے، تکلیف، رنج اور زندگی بھر کی اذیت کو بہت قریب سے دکھایا جائے گا!ہو سکتا ہے یہ ناول آج کے معاشرے کی ضرورت بھی ہو، کیونکہ وہی پرانی اور سخت روایات آج تک بھی چلی آرہی ہیں اُن کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک چھوٹی سی کاوش ہے، اُمید ہے اس تحریر کو

پڑھنے والا، انسانی دکھوں کو سمجھنے لگ جائے گا، اپنے گھر والوں کی تکالیف اور پریشانیوں کو سمجھنے لگ جائے گا، اپنی جھوٹی اناؤں اور تسکین کے لیے زندگیاں برباد نہیں کرے گا! اور یہ سب اللہ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

یہ قصہ جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں حقیقت پر مبنی ہے اور اِسے پڑھتے وقت محسوس کیجیئے گا کہ اگر آج سے بیس بائیس سال پہلے یہ سب آپ کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا آپ خود کو ہیل کر پاتے؟ سب سے اہم سوال کیا آپ جی پاتے؟ یہ تو آپ کہانی پڑھیں گے تبھی جانیں گے۔۔۔ خود کو کہانی کا ایک ایسا کردار مان کر کہانی شروع کریں کہ جیسے آپ یہ سب اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔۔

یہ کہانی آپ پر پھر آہستہ آہستہ اپنے دکھ کھولنے شروع کر دے گی۔۔۔

کہانی ہر انسان کی ہوتی ہے اور یہ جب سے میں نے لکھنا شروع کیا ہے تب سے جانا ہے ۔۔ کسی کی کہانی میں کوئی نہ کوئی ایسا سبق ضرور چھپا ہوا ہوتا ہے جو یاں تو اُسے بنا سنوار دیتا ہے یاں اُسے ساری زندگی پچھتاوے ہی نصیب میں آتے ہیں۔

کچھ لوگوں کی زندگی باقی لوگوں کے لیے سبق بن جاتی ہے اور کچھ کی زندگی ایک حسرت۔۔

اور میں دعا کرتی ہوں کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں جتنی بھی مشکلوں کا سامنہ کیوں نہ کرنا پڑے بس اُن کی زندگی میں سکون ضرور ہو۔۔ اور وہ اللہ کے قریب ضرور ہو۔۔

تبھی سکون میسر آتا ہے، آپ کا زیادہ وقت نہیں لو نگی۔

اُمید کرتی ہوں آپ کہانی کو بے حد پسند کریں گے۔۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ چلتے ہیں کہانی کی سمت۔۔۔۔

ہما تنویر

14 اپریل 2026

پاکستان۔۔

انتباہ

اس ناول کا ایک ایک لفظ میرے دل کے بہت قریب ہے کیونکہ اسے میں نے بہت محبت اور لگن سے لکھا ہے۔۔

اپنے پہلے دونوں ناولز کو میں اس قدر وقت نہیں دے سکی تھی۔ مگر اس ناول کو میں نے بار بار لکھا، بدلا، درست کیا اور مکمل کرنے کی کوشش کی۔۔۔

اور جن محترمہ کی یہ کہانی ہے اُن سے مجھے بہت محبت ہے۔۔ اُن کی ہی یہ خواہش ہے کہ اُن کا نام نہ بتایا جائے اس لیے میں اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہاں اُن کا نام ظاہر نہیں کرونگی۔۔

اس ناول کی کوئی لائن کوئی بھی سین میری اجازت کے بغیر کسی بھی مصنف کسی بھی ادارے کو اجازت نہ ہو گی کہ وہ استعمال کرے۔۔

اور میری اجازت کے بغیر اس کا کوئی بھی ایڈیشن پبلش نہ کیا جائے، ورنہ میں قانونی کاروائی کا مکمل حق رکھتی ہوں۔

مجھے اس کتاب سے بہت محبت ہے، اور اپنے قارئین سے بھی۔

اور یہ یقین بھی ہے کہ وہ اسے بہت پسند کریں گے۔۔ باقی عزت و مقام دینے والی بس ایک وہی پاک ذات ہے۔۔

جزاک اللہ۔

انتساب:

یہ کتاب اُن اناؤں کے نام جن کی وجہ سے معصوم زندگیاں

تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، اور سفر حیات بوجھ بن جاتا ہے۔۔۔

زندگی کے کچھ لمحات ایک پچھتاوے کی طرح گزرتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے

مقصدِ حیات باقی نہیں رہا۔۔

حُزن

بہاروں کے موسم ہمیشہ اچھے نہیں لگتے۔
چمکتی ہوئی دھوپ بھی نہیں بھاتی۔
انسان کی زندگی کی رونقیں اُسے نہیں لبھاتیں۔
گر اُس کا دل مر جائے۔
گر اُسے سکون میسر نہ آئے۔
چہروں کی رونقیں واپس نہیں آیا کرتیں۔
گر اپنے ہی خلاف ہو جائیں۔
گر جیتے جی موت واقع ہو جائے۔
بہت ہی لمبی زندگی ہے،
جس میں انسان سو بار مرتا ہے،
گر اُس سے اختیارات چھین لیے جائیں۔
سو بار جیتا ہے،
گر من پسند کی ہوئی تدبیر سے نواز دیا جائے۔

یہی انسان کی لغزش ہے،

اپنی خواہش کی وجہ سے وہ اپنا سکون گنوا دیتا ہے۔۔

☆☆☆☆☆

حال:

26 جون 2026 کی رات دس بجے وہ جرمنی کے میونخ ایئرپورٹ میں پینٹ شرٹ پہنے، ایک ہاتھ میں ہینڈ بیگ اور دوسرے میں اپنا سوٹ کیس تھامے داخل ہوا۔

اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا، وہ بالکل اکیلا تھا۔ اکیس سال بعد وہ انڈیا جا رہا تھا۔ اسے چھوڑنے والا کوئی نہ تھا۔

اس نے ٹکٹ پر فلائٹ نمبر دیکھا اور چیک اِن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ عملے کو دیے، سوٹ کیس کا وزن کروا کر بیلٹ پر رکھ دیا گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے ہاتھ میں بورڈنگ پاس تھا۔

وہ سیکیورٹی چیک سے گزرا اور اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ارد گرد لوگوں کا رش تھا مگر وہ خاموشی سے اکیلا چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ اس نے بورڈنگ پاس دکھایا اور جہاز میں داخل ہو کر اپنی سیٹ ڈھونڈی۔ ہینڈ بیگ کو اوپر کیبن میں رکھا اور کھڑکی کے پاس اپنی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر میں جہاز کا دروازہ بند ہوا۔ جہاز رن وے پر آہستہ آہستہ چلنے لگا، پھر اچانک رفتار تیز ہوئی۔ چند لمحوں بعد جہاز نے زمین چھوڑ دی۔

وہ خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ اکیس سال بعد انڈیا کی طرف اس کا یہ سفر شروع ہو چکا تھا، اور اس بار بھی وہ اکیلا تھا۔ جیسے انڈیا سے وہ اکیلا آیا۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر۔ بالکل اکیلا۔

اُس کے پاس ساری رات تھی۔ اُن یادوں کو یاد کرنے کے لیے جو وہ انڈیا سے اپنے ساتھ جرمنی لایا تھا۔
وہ ساری رات فلائٹ میں اب بس یہی کرنے والا تھا۔
اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اُس نے ٹیک آف ہوتے ہی آنکھیں موند لیں۔ زندگی کسی فلم کی طرح پردے پر چلنے لگی۔

☆☆☆☆☆

بائیس سال پہلے:

"کون ہے تُو۔۔" ہسپتال کی مر مر کی راہداری کے ایک بینچ کے ساتھ دبک کر بیٹھے ہوئے لڑکے کو گارڈ نے اونچی آواز میں بلاتے ہوئے پوچھا۔

صبح کے ساڑھے چھ کا وقت تھا، ہوا میں ہلکی ہلکی سی خنکی تھی، موسم بھی اچھا تھا، مگر ہر کسی کے لیے ہر چیز اچھی نہیں ہوا کرتی۔

گارڈ نے ہلکے بھورے رنگ کی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی سر پر ٹوپی بھی اُسی رنگ کی تھی۔ گارڈ کی آواز سُن کر لڑکے پر کوئی اثر نہ ہوا تو گارڈ نے دوبارہ سے اُسے پکارا، اب کی بار لڑکے نے اُس کی جانب دیکھا۔

گہری بھوری آنکھوں میں

اجنبیت ہی اجنبیت تھی۔

لڑکے کی بھوری آنکھیں شدتِ غم سے سرخ تھیں یاں وہ بہت بیمار تھا؟ معلوم نہیں۔!

اُسے سردی لگ رہی تھی، مگر اُسے محسوس تو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا، وقت کی کچھ تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کی تمام حسیں مر جایا کرتی ہیں۔

اُس لڑکے نے اپنی آنکھیں اوپر اُٹھا کر گارڈ کو دیکھا۔ گارڈ نے ایک بار پھر سے اپنا سوال دُہرایا۔

"ہاں تجھ سے ہی پوچھ رہا ہوں۔۔ کون ہے تُو۔۔؟"

اُس لڑکے نے اُسے خاموشی سے دیکھا۔ کالے رنگ کی جینز شرٹ میں ملبوس دبلے سے جسم پر وہ لباس اُس کے سائز کا نہیں لگ رہا تھا، بال جو کہ سارے بکھرے ہوئے تھے، نجانے کب سے کاٹے نہیں تھے۔

چہرے پر صدیوں کی تھکان تھی، وہ دیکھنے سے بہت بیمار لگ رہا تھا۔

وہ اُسے خاموشی سے تکے جا رہا تھا۔

"اوہ بھائی۔۔۔ تیرے سے پوچھ رہا ہوں کون ہے تُو۔۔؟" گارڈ نے اس بار آواز میں مزید سختی و رعب لاتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لڑکے کی آنکھیں نیچے کو جھکی تھیں، گارڈ کا صبر جواب دے رہا تھا۔

گارڈ نے آگے بڑھتے ہوئے اُس کا کالر پکڑا ہی تھا کہ اُس لڑکے کا کوئی جاننے والا وہاں شاید اُسی کی تلاش میں آن نکلا۔

"ارے ارے آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟" اکیس بائیس برس کے لڑکے نے اُس گارڈ کو غصے سے پھنکارتے ہوئے پوچھا تو وہ ڈر کر ذرا پیچھے کو ہوا۔

"میں کب سے پوچھ رہا ہوں یہ کچھ بتا ہی نہیں رہا۔" زبان سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے اُس گارڈ نے بتایا۔

شاید وہ گارڈ ابھی نیا تھا، ورنہ گارڈ کہاں ڈرا کرتے ہیں۔۔

"میرا دوست ہے یہ، کمرے میں دل گھبرا رہا تھا اس وجہ سے باہر نکل آیا ہو گا۔۔" اس لڑکے کی جگہ وہ بولا۔

"اچھا اچھا لے جاؤ اسے۔۔" گارڈ نے ٹوپی ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

سفید کُرتے پاجامے میں ملبوس لڑکے نے جینز شرٹ میں ملبوس لڑکے کو اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اُٹھایا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کرو ایسے طبعیت مزید خراب ہو گی۔" اُس کی بات سُن کر بھوری آنکھوں والے لڑکے نے اُس کی جانب ایک نظر اُٹھا کر دیکھا۔

"ایسا مت دیکھا کر، اب ڈر نہیں آتا مجھے۔" خوبصوت لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا مگر بیمار لڑکے پ

ر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس کا تاثر دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کچھ لوگ ہمیں اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ اُن کی تکلیف دیکھ کر اُن سے بھی زیادہ درد محسوس ہوتا ہے۔

وہ اُسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا۔

"خالہ یہ وہاں باہر برآمدے میں بینچ کے پاس بیٹھا تھا۔۔" عادل نے کمرے میں داخل ہوتے ہی شمیم کی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا مہک کی طعبیت ذرا خراب ہے تو تم اس کے پاس جاؤ میں اسے دیکھ لو نگی۔۔" شمیم نے اتنا کہہ کر کمال کا ہاتھ تھاما اور اُسے بیڈ پر بٹھانے کے لیے ذرا آگے کو ہوئیں۔ وہ کب سے پریشان تھیں کہ کمال کہاں چلا گیا۔

"ڈاکٹر کہہ کر گیا ہے اس کے کپڑے بھی تبدیل کروا دیں۔" شمیم نے اُس کی حالت کو دیکھتے ہوئے عادل سے کہا۔

شمیم جو کے کمال کی ماں تھیں اور عادل کی ساس۔۔

"جی خالہ میں آج واپسی پر اس کے لیے اچھا سا سوٹ لے آؤں گا۔۔" اتنا کہتے ہی وہ کمال کو دیکھ رہا تھا، جو بخار میں تپ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔" شمیم نے عادل کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا اور عادل سلام کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمال ابھی تک کسی غیر مرئی نقطے پر اپنی نظروں کو مرکوز کیے ہوئے بیٹھا تھا۔ شمیم نے افسوس سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا۔

جوان اولاد کا غم بہت بڑا ہوتا ہے اور شمیم نے یہ کچھ ہی عرصے میں جان لیا تھا۔ اب تو اُنہیں عادت سی

ہونے لگی تھی کمال کو ایسے دیکھنے کی ۔

وہ کمال کے بیڈ کے ساتھ رکھے چھوٹے سے صوفے پر بیٹھی تھیں جب کمال نے اُنہیں پکارا۔

"ماں وہ مر کیسے سکتی ہے ؟وہ کیوں مر گئی ماں ؟وہ مجھے کہتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی وہ تو دُنیا ہی چھوڑ گئی۔۔۔"

وہ ابھی بھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا، مگر وہ مخاطب شمیم سے تھا۔

"بیٹا جس نے جانا ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے۔ اس دُنیا میں آنے کے ساتھ ہی آپ کی واپسی کا بھی وقت طہ ہو چکا ہوتا ہے، اس سب میں اس کا کوئی عمل دخل تھا اور نہ ہی میرا اور نہ ہی تمہارا۔۔"ایک لمحے کو شمیم نے رُکتے ہوئے نے اپنے بیٹے کمال کی جانب دیکھا۔

"اگر اُس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی ساری عمر تمہارے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے خوشی سے گزارتی، مگر قسمت میں نہیں تھا میرے بچے۔۔اس غم سے نکل آؤ میرے بیٹے وہ اب کبھی واپس لوٹ کر نہیں آ سکتی۔"

شمیم نے بڑے دُکھ کے ساتھ کمال کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر ماں میں تو اُس کے پاس جا سکتا ہوں نا؟تو آپ لوگ مجھے کیوں مر جانے نہیں دیتے۔۔؟"کمال نے اب اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ شمیم کا دل ڈوبا تھا کمال کی بات سُن کر۔ کمال کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

؎کچھ ہوش نہیں رہتا ،کچھ دھیان نہیں رہتا

انسان محبت میں انسان نہیں رہتا

"ایک ہی تو بیٹا ہے میرا، اُسے بھی مر جانے دوں ؟کیسی باتیں کرتا ہے تو کمال کیا تجھے اپنے بوڑھے ماں

باپ پر ترس نہیں آتا، تیرے بعد ہمارے پاس بچے گا ہی کیا؟" شمیم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اُنہوں نے غصے سے کہا۔

کچھ ہی عرصے میں اچھا خاصا گھر تباہی کی طرف نکل پڑا تھا۔

"اُس کے مر جانے کے بعد میرے پاس بھی کچھ نہیں بچا، مجھے ایسے لگتا ہے۔" اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے اپنی بات ابھی مکمل نہیں کی تھی کہ اُس سے پہلے ہی شمیم بولیں۔

"میں ہوں نا کمال، تمہاری بہن ہے تمہارے ابو ہیں۔۔۔ ہم ہیں تو سہی تمہارے ساتھ ہمارے اوپر ایسے ظلم مت ڈھاؤ۔۔ اپنے بیٹے کے زندہ ہوتے ہوئے ہمیں اتنی تکلیف کیوں دیکھنی پڑ رہی ہے۔۔" شمیم نے اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔۔

"آپ جانتی ہیں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے جسم میں جان نہیں ہے میں سانس تو لیتا ہے لیکن وہ سانسیں مجھے زندگی نہیں موت جیسی لگتی ہیں، آپ کے سامنے میں گھٹ گھٹ کر جی رہا ہوں آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں مجھے مر جانے دیں ماں، مجھے مر جانے دیں۔۔" کمال کی باتیں ایک ماں کے سینے میں خنجر گھونپنے کے مترادف تھا۔ کمال ابھی تک اپنے سینے کو مسل رہا تھا، ایسے جیسے اُسے سانس لینے دشواری ہو رہی ہو۔

"تم اتنے ظالم کیسے بن سکتے ہو کمال؟ تمہیں اپنے ماں باپ کی کوئی پرواہ نہیں ہے اتنے مہینوں سے تم ایک لڑکی کے رنج میں مبتلہ ہو۔" شمیم نے اب غصے سے کہا تھا۔

"وہ بس کوئی لڑکی تو نہیں ہے ماں، وہ میری پہلی محبت ہے اور مرتے دم تک وہی میری محبت رہے گی۔۔ پتہ نہیں اللہ نے اُس کا ساتھ مجھ سے کیوں چھین لیا، میں نے تو اتنی دعائیں مانگی پھر بھی اللہ نے مجھ سے میری سب سے عزیز چیز چھین لی۔ اُس کے بنا جینے کا تصور بھی موت کے برابر ہے۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا اور پھر سے بولا۔

"بلکہ موت سے بھی بد تر ہے اُس کے بنا جینا، ماں آپ مجھے اُس کی قبر پر بھی نہیں لے کر جاتیں، نہ آپ نہ مہک اور نہ ہی عادل۔۔"

"ہاں تاکہ تم اپنا بسیرا اُس کی قبر پر کر لو۔۔" شمیم نے درشتگی سے کہا تھا۔

"آپ مجھے کہتیں ہیں کہ میں ٹھیک ہو جاؤں تو اگر میں نے اُس کی قبر دیکھ لی تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" کمال نے اپنی ماں کو یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی۔

"تمہاری کسی بات پر مجھے کوئی بھروسہ نہیں ہے، تم جو اسپتالوں سے بھاگ بھاگ کر قبرستانوں کی قبروں پر اُسے ڈھونڈ سکتے ہو تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔۔" شمیم نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ بھی چلی جائیں یہاں سے مجھے آپ سے بھی کوئی بات نہیں کرنی، جب آپ مجھے میری محبت سے ملوا ہی نہیں سکتیں تو آپ کیسے کہہ سکتی ہو کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔۔" اُس کی آنکھیں اب لال ہو رہی تھیں، بنا آنسوؤں کے خشک۔ لال آنکھیں۔

شمیم نے اُسے دیکھا۔

"جب تک تم بلکل ٹھیک نہیں ہو جاؤ گے میں تمہیں اُس کی قبر کا ہرگز نہیں بتاؤنگی۔۔" شمیم نے اب اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا تھا۔

اتنی بات کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آپ کو بس نام کی محبت ہے مجھ سے، آپ سب بس ڈھونگ کرتے ہیں کہ آپ کو محبت ہے ورنہ کوئی محبت نہیں ہے آپ کو۔۔ محبت ہوتی تو مجھے اُس کی قبر پر لے جاتے آپ۔ اپنے ہی بیٹے پر ظلم کر رہی ہیں آپ۔ سُنا آپ نے۔ ظلم کر رہی ہیں آپ۔" کمال نے چیختے ہوئے کہا، کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اُنہیں کمال کی یہ بات صاف سنائی دی تھی مگر وہ نظر انداز کرتی وہاں سے چلی آئیں۔ کمال اب کمرے میں اکیلا

تھا، اپنی پہلی محبت کی خوبصورت یادوں کے ساتھ، اُس کی یادوں کے محور میں کھویا ہوا۔
یادیں خوبصورت ہوں یا کسی بُرے خواب کی مانند جب بھی یاد آئیں دیتی تکلیف ہی ہیں۔
کمرے سے باہر نکل کر شمیم نے اسپتال کے سارے بر آمدے میں نظر گھوما کر دیکھا، صبح کا وقت تھا مریضوں کے احباب و اقارب بر آمدے میں ہی بستر لگائے سوئے تھے۔
کسی کے سفید لٹھے کے سوٹ تھے، کوئی سفید پوش تھا، کوئی غریب تھا یوں کہ اُس وقت وہاں ہر قسم کے لوگ ایک ہی غرض سے موجود تھے۔
اپنوں کی محبت میں انسان کچھ بھی کرلیتا ہے ،بس محبت بے لوث، بنا کسی غرض کے ہونی چاہیے بنا کسی مطلب کے۔
شمیم کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے، اُن کے بیٹے نے کیسی محبت کی تھی؟ اتنی شدت بھری محبت، پچھلے چھ مہینوں سے اُسے خود کا بھی ہوش نہیں تھا۔
چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتیں وہ ایک بینچ کے نزدیک آئیں اور آہستگی سے اُس پر بیٹھ گئیں، گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس سر پر بڑی سی سفید چادر اوڑھے وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی آواز کو دبانے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ رو رہی تھیں۔
جب کسی کا ہنستا بستا گھر کسی کی وجہ سے تباہ ہوتا ہے تو تکلیفیں بھی تو اُتنی ہی شدید ہوتی ہیں۔
ساڑھے چھ مہینے ہونے والے تھے کمال کو اسپتال میں مگر وہ نہ کچھ کھاتا تھا ڈھنگ سے اور نہ ہی کسی اور چیز کا ہوش تھا اُسے۔
کچھ حقیقتیں چھپی رہیں تبھی زندگی میں سکون رہتا ہے۔ شمیم نے اپنے آنسو صاف کیے اور اسپتال

کی کینٹین کی جانب چل دیں۔ اُنہیں اپنے اور کمال کے لیے کھانا لینا تھا۔ چاہے کمال کھائے یا نہ لیکن وہ اُس کے لیے کھانا ضرور لیتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

سارے صحن میں ماربل لگا ہوا تھا گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، جب وہ اپنے بھاری قدم اُٹھاتی کمرے کے بڑے سے دروازے کو دھکیلتی باہر نکلی۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ گھر میں موجود باقی تمام افراد اُٹھ چکے تھے۔ اُس نے بنا ادھر اُدھر دیکھے باتھ روم میں جانا مناسب سمجھا۔

بُری سی حالت میں وہ قدم اُٹھاتی باتھ روم میں داخل ہو گئی، اب وہ خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ ملگجے کپڑے، بکھرے بال، آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے، رنگ کیکر کے پھولوں جیسا پیلا، رُخسار جو کہ ایک وقت میں نرم و گداز اور گلابی ہوا کرتے تھے وہاں چہرے کی ہڈیاں عیاں ہو رہی تھیں۔

وہ تین ماہ کی حاملہ تھی۔ نئ نویلی دولہن تو وہ کہیں سے نہیں لگ رہی تھی۔ شادی کو ابھی چار ماہ ہی تو گزرے تھے چار ماہ میں کسی کے شوق کیسے مر سکتے ہیں؟۔

وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی، خاموشی سے، خود کو آئینے میں نہارتی رہی، اپنے آپ کو پہنچاننے کی جدو جہد میں مگر وہ خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔۔

وقت انسان کو ایسی مشکل میں ڈال دیتا ہے کہ انسان خود کو پہچاننے سے بھی انکاری ہو جاتا ہے شاید وہ بھی خود کو بھول چکی تھی، شاید وہ بھی اُسی وقت میں پھنسی ہوئی تھی۔

انسان اپنا اصل کیسے بھول سکتا ہے؟ حد سے زیادہ تکلیف کی وجہ سے؟ اپنوں سے دھوکہ کھانے کی وجہ سے؟ بے یقینی کی وہ حالت کہ انسان کے سارے اوسان خطا ہو جائیں۔

وہ بھی اُنہی مراحل میں تھی اپنوں کی بے اعتنائی نے اُسے اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، وہ چند ہی دنوں میں خاموش ہو گئی تھی اور اُس کی خاموشی کا فائدہ دُنیا اُٹھا رہی تھی۔

"ارے کدھر رہ گئی ہو بھابھی۔۔۔؟ کھانا بنا دو بھائی نے کام پر بھی جانا ہے اور آج کپڑے بھی دھونے والے ہیں۔۔" پیچھے سے اُس کی نند کی باریک سی آواز اُس کے کانوں میں زوردار سیٹی کی طرح

گونجی۔اُس نے اچانک سے اپنے چہرے سے نظریں ہٹا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے،اب اُس نے اپنے گیلے منہ کو دوبارہ آئینہ میں دیکھا۔کچھ تھا جو اُسے یاد آیا تھا۔مگر فوراً ہی اُسے دوبارہ سے نگینہ نے آواز دے کر بلایا۔یادوں کے بھنور میں پھنسنے سے وہ بچ گئی تھی۔مگر کب تک؟انسان کب تک بھاگتا ہے اپنی یادوں سے؟تلخ حقیقتوں سے؟کبھی نہ کبھی تو وہ تلخ حقیقتیں اُسے اپنے حصار میں آن لیتی ہیں ایسے کہ انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔۔

"پتہ نہیں کیسی لڑکی بیاہ لایا ہے تُو جسے نہ کھانا پکانا آتا ہے اور نہ ہی باقی گھر کے کاموں کا کچھ اتا پتہ ہے۔"زہرہ کی ساس نجمہ اپنے بیٹے سے کہہ رہی تھیں۔

شاہد نے بس خاموشی سے ایک نظر اپنی ماں کی جانب دیکھا اور پھر گیلا منہ پونچھتی زہرہ کی طرف۔

ان سب باتوں سے بے نیاز وہ خاموشی سے کھانا بنانے کے لیے باورچی خانے میں جا رہی تھی۔

شاہد کو اُس پر ترس آیا،وہ معصوم شکل ان چند مہینوں میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔وہ شادی کی رات کتنی خوبصورت تھی۔۔ہمسفر کا اچھا ہونا زندگی کو دنیا میں ہی جنت کی مانند بنا دیتا ہے۔

باورچی خانے میں کھڑی ہو کر اُس نے باہر دیکھا چارپائی پر بیٹھا شاہد اُسے ہی دیکھ رہا تھا مگر آنکھوں میں واضح جذبات وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔اُس نے فوراً سے ہی اپنی نظریں توے پر ڈالی ہوئی روٹی کی جانب کر لیں۔

"بھابھی ذرا جلدی روٹی پکا دیں میں نے اسکول جانا ہے۔"نگینہ سے چھوٹی بہن جو زہرہ سے سات سال چھوٹی تھی بڑی جلدی میں کیچن میں داخل ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔نگینہ اور سکینہ دونوں شاہد سے چھوٹی تھیں۔نگینہ زہرہ کی ہم عمر ہی تھی۔

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"نگینہ اسے سالن ڈال دو۔۔"زہرہ نے برتن دھوتی نگینہ سے کہا۔وہ اپنے ہاتھ تولیے سے خشک کرتی اُٹھی۔

"سکینہ تمہیں اب خود بھی کچھ کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے،اگلے گھر جاکر کیا کرو گی۔۔؟"چائے کے اوپر چھانی رکھتے ہوئے نگینہ نے ایک اَچٹتی نگاہ زہرہ پر ڈالی۔

"ورنہ زہرہ بھابھی جیسی حالت ہو جایا کرتی ہے سسرال میں جاکر۔۔"چائے کپ میں چھان کر اُس نے کپ سکینہ کی جانب بڑھایا۔سکینہ نے کپ کو تھاما اور سر کو ہاں میں ہلا کر زہرہ سے پر اٹھا پکڑ کر وہ ہال میں چلی گئی۔

نگینہ نے زہر خند نظروں سے زہرہ کو دیکھا اور دوبارہ سے برتن دھونے لگی۔زہرہ نے ایک بار بھی پلٹ کر نگینہ کو نہیں دیکھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کام میں مگن تھی۔کیا شادی کے بعد عورت کو بولنے کی اِجازت نہیں ہوتی یاں عورت خود جان بوجھ کر نہیں بولتی۔۔؟

وہ کن عورتوں میں شمار ہوتی تھی؟

شاہد جو باہر ہال میں بیٹھا زہرہ کو ہی دیکھ رہا تھا اپنی ماں کی آواز پر چونک کر اُن کی جانب متوجہ ہوا۔

"بیٹا نگینہ کے سسرال والے آرہے ہیں اس اتوار کو،خرچے پانی کے لیے کچھ پیسے مل جاتے تو مہمان نوازی اچھے سے ہو جاتی۔۔"چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے نجمہ نے شاہد کو دیکھا۔

شاہد نے ایک لمبا سانس اندر کو کھینچا تھا۔

"ماں ابھی کل ہی تو آپ کو میں نے ساری تنخواہ لا کر دی تھی ایک دن میں وہ سارے پیسے کہاں گئے؟" شاہد جانتا تھا کہ اُس کی ماں اُس سے فیکٹری میں ایکسٹرا ٹائم دینے کے بھی پیسے مانگ رہی ہیں۔

"بیٹا وہ تو گھر چلنے میں استعمال ہو نگے نا۔۔" بڑی معصوم سی شکل بنا کر نجمہ نے کہا۔

جیب سے 2 نوٹ نکال کر شاہد نے اپنی ماں کی جانب بڑھائے۔۔ نجمہ نے اُن نوٹوں کو فٹ سے تھاما۔

"ہاں بس اتنے ہی؟ دو سو میں کیا آئے گا؟" پیسے پکڑتے ہوئے وہ خفگی سے بولیں۔

"اماں کل دس ہزار دیے تھے اس سے آپ کے دو مہینے بڑے آرام سے گزر جائیں گے اب آپ مجھ سے الگ سے پیسے مانگ رہی ہیں میں نے اپنا خرچ بھی تو دیکھنا ہے نا۔۔" شاہد نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا چل سہی ہے جیسے تجھے ٹھیک لگتا ہے، ویسے اتنے سے کام چل ہی جائے گا۔" نجمہ نے منہ کے تیور بگاڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اب مجھے کھانا لا دیں میں نے کام پر بھی جانا ہے۔۔" ہاتھ پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے شاہد نے کہا۔

"تیری بیوی ہی بہت سست ہے اتنی سست روی سے کام کرتی ہے کہ سامنے والا بھوکا ہی مر جائے۔" اپنی ماں کی بات سُن کر اُسے تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں ماں وہ شادی سے پہلے گھر کے کام نہیں کرتی تھی۔" ابھی وہ اتنا ہی بولا تھا کہ نجمہ نے برق رفتاری سے جواب دیا۔

"ہاں دُنیا جہان کے باقی سارے کام جو کر ڈالے ہیں اس نے۔۔" اپنی ماں کی ان باتوں کو برداشت نہ کرتا وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ نجمہ نے اُسے جاتا دیکھا تو نخوت سے سر جھٹکا۔ پھر جلدی جلدی نوٹ اپنے چادر کے پلو سے باندھنے لگیں۔

"زہرہ۔۔" اُس نے بڑے پیار سے پکارا تھا زہرہ کو۔

اپنی سیاہ نظروں کو اُس کی جانب اُٹھاتی وہ رو دینے کو تھی۔

"کوئی بات نہیں بُرا نہیں منانا ماں کی بات کا اُن کو عادت ہے چھوٹی چھوٹی بات پر غصہ کرنے کی۔" زہرہ کی آنکھ سے ایک آنسو اُس کے گال پر پھسلا۔

نگینہ وہاں بیٹھی اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسا بھی کیا کہہ دیا ماں نے آپ کو بھابھی جو آپ ایسے آنسو بہائے جا رہی ہیں؟" نگینہ نے اتنا کہا تو شاہد نے اُسے مُڑ کر دیکھا، اُس کی آنکھوں میں تنبیہ تھی، اُسے دیکھ نگینہ نے تھوک نگلا اور وہیں خاموش ہو گئی۔

"کھانا نہیں بنایا جا رہا تو کمرے میں جا کر آرام کر لو، کھانا نگینہ خود بنا لے گی۔ چھوڑو۔" شاہد نے اُس کے ہاتھ سے روٹی بنانے والی چمٹی کو پکڑا اور ایک طرف رکھتے اُسے کندھے سے تھامے وہ باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

نگینہ غصے سے پھنکارتی باہر کو آئی۔

"ماں میں گھر میں چند دن ہی کی تو مہمان ہوں اُس میں بھی آپ کی بہو کے نخرے ختم نہیں ہو رہے۔" غصے سے کہتی وہ اپنے بازو باندھے کمرے میں جاتے شاہد اور زہرہ کو خون ٹپکاتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں اس کل کی آئی لڑکی نے میرے بیٹے پر کیسا جادو کر دیا ہے جو اسے اس لڑکے کے سوا کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔" نجمہ نے دوپٹہ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ کمرے میں جاتے زہرہ اور شاہد کے کانوں نے بات کو سُن لیا تھا۔

شاہد اُسے کندھوں سے تھامے اپنے کمرے میں لے آیا۔ اُسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔

"آپ نیچے کیوں بیٹھ رہے ہیں؟" سفید لٹھے کی شلوار قمیض میں وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ زہرہ ہڑبڑا کر اُٹھنے لگی تھی کہ شاہد نے اُسے بیٹھے رہنے کا کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اُسے عجیب لگ رہا تھا۔

"آپ کا کُرتا خراب ہو جائے گا شاہد۔۔" ہیجانی سی کیفیت میں مبتلا وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں کپڑے ہی تو ہیں دُھل جائیں گے۔۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ خاموش ہو گئی۔ کچھ لمحے سرکے تو وہ بولا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں زہرہ کہ تمہیں یہاں کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو مگر ماں کا مزاج ذرا اور طرح کا ہے تمہیں یہاں ایڈجسٹ کرنے میں وقت لگ سکتا ہے۔" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ زہرہ کی کالی سیاہ آنکھوں میں سحر تھا۔ پلکوں کے پیچھے چھپی موٹی سیاہ آنکھیں شاہد کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ بس کچھ باتوں کو لے کر غصہ ہیں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم فکر نہ کرنا بس اور اگر طبیعت خراب ہو جائے تو سکینہ سے کہہ دیا کرو وہ کام کر دیا کرے گی، نگینہ اور ماں کی طرح وہ ناراض نہیں ہے تم سے۔۔" اُس کے ہاتھ کو نرمی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے شاہد اُسے سمجھا رہا تھا۔

زہرہ نے اُس کی بات سُنی اور سر اثبات میں ہلا کر اُس کی جانب دیکھا۔

"مت رویا کرو زہرہ تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے لیے تمہیں میں شادی کر کے اس گھر میں نہیں لایا تھا۔۔" اپنے ہاتھ کی پشت سے اُس کے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ نیچے بیٹھا ہوا اپنا سر اُس کی گود میں رکھے ہوئے اپنی آنکھیں موند گیا۔

سارا سکون ہی تو اپنے شوہر کے حصار میں ملتا ہے۔

"میری ذمے داری ہو تم زہرہ۔۔ تمہاری خوشی میرے لیے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔۔ اور میرا سکون بھی تم ہو، میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔۔" زہرہ کے نرم و ملائم ہاتھ کی پشت پر شاہد نے بوسہ دیا۔

زہرہ بے جان وجود بنی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

"تم ہنسا کرو! خوش رہا کرو جیسے شادی سے پہلے ہوا کرتی تھی۔ مجھے وہی ہنستی مسکراتی زہرہ پسند ہے۔۔" وہ بڑے سکون سے آنکھیں موندیں زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے کوئی حرکت نہ کی تو شاہد نے اُس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھا۔۔

"میرے سر کے بالوں کو سہلاؤ مجھے بہت اچھا لگتا ہے زہرہ۔۔" زہرہ نے اُس کے سر کے بالوں کو سہلانا شروع کیا۔

"میرے بال کتنے سوفٹ ہیں! ہے نا زہرہ؟" وہ اُس سے اپنی تعریف کروانا چاہتا تھا؟ زہرہ نے اُس کی بات سُنی تو بنا مسکرائے رہ نہ سکی۔

"جی جیسے لڑکیوں کے ہوتے ہیں نا سلکی سے۔۔۔ ویسے بال ہیں آپ کے۔۔"

اُس کی بات سُن کر شاہد نے فوراً سے اپنی آنکھیں کھولیں اُن آنکھوں میں خوشی اور حیرانگی تھی۔۔

"کیا مطلب؟ اتنے اچھے بال ہیں میرے۔۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ کھلے دل سے مسکرائی اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں نا میں جھوٹ نہیں بولتی۔۔"

"بڑی بات ہے۔" وہ دوبارہ سے آنکھیں موندے سر اُس کی گود میں رکھ گیا۔

"زہرہ کیا تم میرے ساتھ خوش ہو؟" اُس نے زہرہ کا ایک ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"ہاں۔۔!" زہرہ نے بس ایک لفظ بولا تھا۔

"تو تم مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتی؟" وہ محبت میں شکایت کر رہا تھا۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" زہرہ نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"ہاں بہت محبت کرتا ہوں۔"شاہد کی بات سُن کر وہ ہلکا سا مسکرائی۔
"تو محبت میں سوال و شکوے کیسے ؟"اُس کی بات سُن کر شاہد اُٹھ بیٹھا۔
"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔۔"
"اب سوچ لیجئے گا۔۔"وہ بھی جواب دیے جا رہی تھی۔
"ہاں اب تو میری پیاری سی بیوی نے کہا ہے تو سوچنا تو بنتا ہے نا۔۔"اُس کی بات سُن کر وہ مسکرائی تھی۔
"ہنستی رہا کرو اچھی لگتی ہو۔"اُس کے رخسار کو اپنی ہتھیلی سے چھوتا وہ سیدھا ہوا۔
"مجھے کام سے دیر ہو رہی ہے واپسی پر بات ہو گی۔۔"وہ زمین سے اُٹھتا اپنے کپڑوں کو ہاتھوں سے جھاڑتے ہوئے بولا۔
"کس وقت تک آئیں گے آپ؟"زہرہ نے شاہد سے پوچھا۔
"چھ یا ساڑھے چھ بجے تک آ جاؤنگا۔۔"کچھ سوچتے ہوئے شاہد نے جواب دیا۔اتنا کہہ کر وہ اُسے اک نظر بھر کر دیکھتا چلا گیا،وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔
اُس کا شوہر اُس سے بہت محبت کرتا تھا لیکن وہ خوش پھر بھی نہیں تھی۔۔
کچھ تعلق ختم ہو جائیں یا ںبِن چاہے تعلق بن جائیں تو انسان خوش ہو کر بھی خوش نہیں ہو پاتا۔
اپنوں کے ہاتھوں سے مارے ہوئے لوگ کچھ وقت کے لیے تو خوش ہونا بھول جاتے ہیں۔وہ بھی اپنے عزیزوں کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔اُس کے خواب،اُس کی چاہتیں،اُس کا مان ٹوٹا تھا۔
وہ خاموش ہو گئی تھی مگر شاہد اُسے بہت سپورٹ کرنے کی کوشش کرتا تھا،اپنی ماں اور بہن کی باتوں سے کس قدر وہ زہرہ کو بچا کر رکھتا تھا،زہرہ اس بات سے بخوبی واقف تھی۔
شاہد کے جانے کے بعد وہ خاموشی سے اُٹھی اور بیڈ پر جا کر لیٹ گئی،وہ ٹھیک نہیں تھی نہ ذہنی طور پر،نہ

جذباتی طور پر اور نہ ہی جسمانی طور پر۔

وہ خاموشی سے لیٹی چھت کو یکٹک گھور رہی تھی۔ وہ بیس برس کی ہونے والی تھی، ان بیس سالوں کی زندگی میں وہ ایک رانی کی طرح اپنی زندگی کو گزار کر آئی تھی یہاں۔

"اۓ زہرہ۔۔۔۔۔۔؟" باہر سے اُس کی ساس نجمہ نے اُسے ایسے پکارا جیسے وہ اُن کی غلام ہو۔ وہ جو گہری یادوں میں ڈوبی تھی ایک ہی آواز سے وہ کیسے باہر نکلتی اپنی اُن یادوں سے؟

"پتہ نہیں کس مٹی کی بنی ہے یہ لڑکی۔ نہ کوئی گھر کا کام کرتی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس آکر بیٹھتی ہے۔ ہم سے تو ایسے خار کھاتی ہے جیسے ہم نے اس کا جینا حرام کرر کھا ہو۔" باہر صحن پر لگی ہوئی ٹوٹی پر کپڑے دھوتے ہوئے نجمہ نے اونچی آواز میں کہا تو اُس کا سارا دھیان اُن کی جانب مبذول ہو گیا۔

زہرہ نے اُنہیں نظر انداز کیا تھا۔ خاموشی سے لیٹی وہ پچھلے دنوں کی باتوں کو ذہن پر زور دیے یاد کرنے کی بے تحاشہ کوشش کر رہی تھی مگر اُسکے ذہن میں کوئی بھی واضح لکیر کھنچ نہیں پا رہی تھی۔

اپنے سر کے بالوں کو نوچتی وہ یک دم بیڈ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُسے عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی، اپنے سینے پر ہاتھ مارتی وہ بے چین سی ہوتی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ کی جانب متوجہ ہوئی۔ شیشے کے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے اُس کے ہاتھ ایک لمحے کو لرزے تھے۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا، دل عجیب ہو رہا تھا، ہاتھ پاؤں سُن ہو رہے تھے۔

وہ خود کی حالت سے پریشان تھی اُسے تکلیف تھی لیکن جسم کے کس حصے میں تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ ذہنی طور ہر بیمار تھی یاں جسمانی یاں دونوں؟

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ابھی اُس نے پانی کا ایک گھونٹ ہی حلق سے نیچے اُتارا ہو گا کہ باہر صحن سے ایک بار پھر نجمہ کی گرج دار آواز اُسے سنائی دی۔

"پتہ نہیں کیسی ڈیٹھ اولاد پیدا کی رضیہ آپا نے شرم نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں اس میں۔۔" اتنا سننے کے بعد اُس نے پانی پیا اور گلاس کو دوبارہ سے میز پر رکھتی اب وہ بیڈ کے نرم گدے پر لیٹتی دوبارہ سے چھت کو یکٹک دیکھ رہی تھی۔

انسان کی ساری توانائی اُس کے خیالات اُس سے چھین لیتے ہیں۔ ایک انسانی ذہن جتنا سوچتا ہے اُس کی پریشانی اُتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔

مگر ایک بات انسان کو یاد ہی نہیں ہے تو کیا کرے وہ؟ اپنے ذہن پر زور نہ دے؟ وہ یہ سب سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھولتی نگینہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھابھی آپ کو ماں اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہیں آپ کو سنائی نہیں دے رہا۔۔" غصے سے کہتی نگینہ اُس کے بیڈ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ زہرہ کو خاموشی سے لیٹا دیکھ وہ ایک بار پھر بولی۔

"اب اُٹھ بھی جاؤ بھابھی۔۔ ایسا بھی کیا بیمار بندہ کے اُس سے یہ گھر کے تین چار کام نہیں ہوتے۔" لہجے میں حد درجہ کڑواہٹ بھرے اُس نے کہا تو زہرہ جو تب سے چھت کو ہی گھور رہی تھی اپنی گردن کا زاویہ تبدیل کرتی اب اُسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میں بیمار ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں بیمار ہوں اور ایسی حالت میں بیمار ہوں، کل ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اُس نے آرام کرنے کو کہا ہے اب کل کو کچھ ہو جائے گا تو اس کی ذمے داری تم لو گی کیا؟" زہرہ نے اُس سے اتنا کہا اور دوبارہ سے اپنی گردن سیدھی کرتی چھت کو دیکھنے لگی۔

"بھابھی اللہ ہی بچائے آپ جیسی بھابھیوں سے۔۔" نگینہ نے ابھی اتنا کہا تو زہرہ نے بنا اُس کی طرف دیکھے کہا۔

"ہاں اور میرے جیسی بھابھیوں کو تم جیسی نندوں سے بچائے۔۔" نگینہ نے اتنا سُنا تو تن فن کرتی پیر پٹختی

کمرے سے باہر نکل گئی۔

زہرہ جو اُس کے سامنے اپنی اضطرابی کیفیت کو چھپائے ہوئے تھی یک دم سے اُسے گھٹن محسوس ہونا شروع ہوئی۔

اُس کا سانس رک رہا تھا اُس نے جلدی سے اُٹھ کر کمرے میں موجود ڈریسنگ ٹیبل کے ڈرار کو اوپن کیا وہاں کچھ دوائیاں پڑی تھیں اُس نے جلدی جلدی ہاتھ مارتے ہوئے کچھ دوائیاں ٹٹولی، اُس کا سانس مزید اُکھڑتا جا رہا تھا۔

اُسے چکر آ رہے تھے وہ گرنے ہی والی تھی کہ کمرے میں سکینہ نے آتے ہی اُسے بے حال ہوتے دیکھا۔

"بھابھی۔۔۔!" ایک زوردار چیخ کے ساتھ وہ بھاگتی ہوئی اُس کی طرف گئی تھی۔ سکینہ کی آواز سن کر نجمہ اور نگینہ جو صحن میں کام کر رہی تھیں اُس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"بھابھی آ۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ اُسے اپنی پوری قوت لگاتے اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی، اُسی لمحے نجمہ زہرہ کی ساس اور نگینہ بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"سکینہ ہٹو پیچھے۔۔" اُسے پیچھے کو کرتے نجمہ اور نگینہ نے زہرہ کو سہارا دیتے بیڈ پر لٹایا۔

"اس کا تنفس پھول رہا ہے اسے ڈاکٹر نے جو دوائی لکھ کر دی ہے وہ دراز سے نکالو نگینہ اور سکینہ تم پانی لے کر آؤ۔" زہرہ کو اس حال میں دیکھ نجمہ پریشانی میں مبتلا ہوئی تھیں اور پریشانی اس بات کی نہیں تھی کہ زہرہ کی طعبیت بگڑ گئی ہے بلکہ پریشانی اس بات کی تھی کہ زہرہ کے گھر تک بات گئی تو کیا ہو گا؟ امیروں کی لاڈلی بیٹی۔۔؟ ہنہہ۔

مگر وہ تو اب شاہد کے علاوہ کسی کی لاڈلی نہیں تھی اور یہ وہ بخوبی جانتی تھی، پر نجمہ کو شاید اس بات کا علم نہ تھا۔

نگینہ نے جلدی جلدی دراز میں سے دوائی نکالی اور سکینہ کو آواز دی۔

"سکینہ جلدی پانی لے آؤ۔" زہرہ کی حالت کافی خراب ہوتی جارہی تھی۔ چند ثانیے بعد سکینہ بھاگتی ہوئی ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے کمرے میں داخل ہوئی جبکہ کمرے میں پانی پہلے سے موجود تھا۔

جلد بازی میں وہ تینوں بوکھلا گئی تھیں۔

اُسے دوائی کھلا کر وہ بیڈ پر لیٹا رہی تھیں۔

"اللہ جانے یہ کب ٹھیک ہو گی۔" تقریباً مارچ کا شروع تھا جب ہلکی ہلکی گرمی ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اب گرمی بھی شروع ہو رہی تھی اور گھر کے کام کرنے کے لیے ملازمین کو بھی نجمہ نے چھٹی دے دی تھی کہ اب تو بہو آگئی ہے "جیسے بہو نہ ہو گھر کی ملازمہ ہو۔۔"

مگر اب جب وہ بیمار تھی اور گھر کے تمام کام اُن کو خود دیکھنے پڑ رہے تھے تو اُنہیں اپنا جلد بازی میں لیا فیصلہ بہت غلط لگ رہا تھا۔

"سکینہ اس کے پاس رہو جب اس کی طعبیت سنبھلے تو اُٹھ کر آجانا باہر۔۔" اتنا کہہ کر نجمہ اور نگینہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"مگر ماں مجھے اسکول بھی جانا تھا۔" سکینہ نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

"ایک دن چھٹی کر لو گی تو کوئی آفت نہیں آجائے گی، اس رانی کی دیکھ بھال کے لیے اس کے گھر والوں نے ملازم تو بھیجے

نہیں ساتھ۔" اپنی ماں کی بات سُن کر سکینہ نے ایک سرد آہ اندر کو کھینچی۔ دوائی کھاتے ہی زہرہ کو سکون آگیا تھا۔ سکینہ اُس کے سرہانے بیٹھی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں بھابھی آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو ماں آپ کو ایک نظر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔۔" سکینہ

نے اُس کے ماتھے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے سوچا۔

کچھ چیزیں وقت کے ساتھ ہی سامنے آئیں تو ہی اچھی لگتی ہیں، وقت سے پہلے ہونے والی کوئی بھی چیز کبھی بہتر پھل نہیں دیتی۔ سکینہ کا ابھی زہرہ کے بارے میں نہ جاننا ہی شاید زہرہ کے لیے بہتر تھا۔

اور وہیں زہرہ ان سب باتوں سے بیگانہ دوائی کے زیرِ اثر سوئی ہوئی تھی۔ سکینہ نے خاموشی سے اُسی کے پاس بیٹھے رہنے کا سوچا۔

☆☆☆☆☆

"مہک۔۔؟" عادل اپنے گھر میں داخل ہوا تھا، آٹھ بجنے والے تھے، اُس کی آواز سُن کر مہک کمرے سے باہر نکلی۔

"آگئے آپ کیسی طعبیت ہے اب کمال کی؟" مہک نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں پہلے سے بہتر ہے۔۔" کمال نے برآمدے میں پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ ایک منٹ رُکیں میں آپ کو پانی لا کر دیتی ہوں۔۔" مہک نے جلدی سے کیچن میں جاتے ہوئے کہا۔ عادل نے اپنا سر ہلایا۔

چند ہی ثانیے بعد وہ ہاتھ میں پانی کا بھرا گلاس لیے کیچن سے باہر نکلی۔

"یہ لیں عادل۔۔" اُسے پانی دیتے ہوئے مہک اُسی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"اب بتائیں عادل کیا کہا ڈاکٹرز نے کب تک ٹھیک ہو جائے گا کمال؟" مہک نے بے چینی سے عادل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پانی پی کر بتاتا ہوں۔۔" عادل نے ہاتھ میں پکڑا گلاس مہک کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا۔" مہک نے اُس کی بات سُن کر خاموشی اختیار کی۔

تین گھونٹ میں عادل نے گلاس کو خالی کیا اور مہک کی جانب چہرہ پورا گھمایا۔

"دیکھو مہک تمہاری پہلے ہی طعبیت ٹھیک نہیں رہتی اس لیے اتنا پریشان مت ہوا کرو، میں اور خالہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں ہر چیز کو اچھے سے مینج کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ بہت جلد کمال ٹھیک ہو جائے گا۔" مہک کو دلاسہ دیتے ہوئے عادل نے اُس کے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا۔

"عادل میرا ایک ہی بھائی ہے وہ جو کہتا ہے وہ آپ کر کیوں نہیں دیتے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے معلوم ہے وہ جو کہہ رہا ہے اگر آپ ویسا کر دیں گے تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" مہک نے عادل کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

"وہ ٹھیک تو ہو جائے گا لیکن ٹھیک ہوتے ہی وہ مر جائے گا۔" عادل نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں عادل وہ ٹھیک ہونے کے بعد۔۔۔" اگلے الفاظ بولنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی تھی اُس سے۔

"آپ ایسی بات کر بھی کیسے سکتے ہیں عادل۔۔؟" مہک کو صدمہ پہنچا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مہک مجھے یہ کہنے میں بہت مزہ آیا ہو گا؟ وہ میرا جگری یار ہے، نہ میری ماں ہے اور نہ ہی میرا باپ۔ ایک تم ہو جو میری کل کائنات ہے اور دوسرا میرا دوست۔۔۔! ایسا دوست جس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں بھی اُسے کھونا نہیں چاہتا۔" مہک نے عادل کو دیکھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

"وہ جو کہہ رہا ہے ویسا کیا تو بہت سی تکلیفیں اور مشقتیں ہمیں اُٹھانی پڑ سکتی ہیں۔ اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو اُسے اس سب سے دور کرو نہ کے اُس کی یہ بے جا ضد پوری کرنے پر ہمیں راضی کرو۔" عادل نے

مہک کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

"میں اُسے باغرا کبھی نہیں جانے دونگا کبھی بھی نہیں۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ مہک کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"باغرا اُسے نگل جائے گا، اُس کی سانسیں وہاں جاتے ہی ختم ہو جائیں گی۔۔ جب تک وہ لکھنؤ میں ہے تب تک وہ زندہ ہے۔۔" ایک خوف کی تیز لہر تھی جو اُن دونوں کے سراپے میں دوڑ گئی تھی۔

"وہ باغرا جانے کی ضد کرتا ہے؟" مہک نے حیرت سے پوچھا تھا۔۔

عادل نے بس اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"وہاں تو۔۔۔" مہک کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسے جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

"مت کرو یاد وہ سب، ایسے لمحات بھی ذہن میں مت لایا کرو جو تمہیں تکلیف دیتے ہوں۔ کمال کو تو عادت ہے خود کو اذیت دینے کی اُسے مزہ آتا ہے۔۔" عادل نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا اور کمرے میں چلا گیا۔

مہک گم صم سی بیٹھی رہی وہاں۔ اُس کے پاس مزید کچھ تھا ہی نہیں جو وہ عادل سے کہہ پاتی کہ اُسی خاموش لمحے میں عادل نے کمرے میں سے اُسے آواز دی۔

"مہک کھانا بنا دو 9 بجے تک مجھے آفس کے لیے بھی نکلنا ہے۔ ابھی بنانا شروع کرو گی تو ہی میں ٹائم سے کام پر جا پاؤنگا۔۔" عادل کی بات سُن کر ماضی کی تلخ یادوں سے وہ باہر آئی تھی۔

"جی آپ کے کپڑے میں نے استری کر کے الماری میں ٹانک دیے ہیں آپ نہا لیں میں تب تک ناشتہ بنا لوں۔" اتنا کہتے وہ اُٹھی اور بھاری قدموں سے کیچن میں چلی گئی۔

عادل نے الماری کھولی تو اُس میں پورے ہفتے کے سوٹ پریس کر کے اُس کی بیوی نے رکھ دیے تھے۔

ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر آئی تھی۔ مہک کی ہی محبت تھی جس نے اُسے اتنی جلدی ٹھیک کر دیا تھا ورنہ باپ کے بعد ماں کا بھی چلے جانا اور کسی کا ساتھ بھی نہ ہونا کیسا ہوتا ہے وہ بخوبی جانتا ہے۔

دُنیا میں ماں کے بعد بیوی کا ہی رشتہ ایسا ہوتا ہے جو ایک مرد کو بنانے اور سنوارنے کا کام کرتا ہے، عورتو ں پر نسلوں کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

الماری میں سے کپڑے پکڑتا وہ نہانے کے لیے واشروم کی طرف چل دیا۔

"عادل آجائیں کھانا لگا دیا ہے میں نے۔۔"ڈائننگ ہال سے مہک کی آواز پورے گھر میں گونجی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے عادل نے اُسے فوراً سے جواب دیا۔

"بس دو منٹ رکو میں ابھی آرہا ہوں۔"بالوں کو جیل اور برش سے سیٹ کرتا وہ آئینے میں خود کو ایک آخری نگاہ دیکھتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

جب وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو مہک بالوں کو کیچر میں مقید کیے ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا تھا، اُسے مسکراتا دیکھ مہک نے آنکھوں ہی آنکھوں سے مسکرانے کی وجہ پوچھی۔

"اب شوہر اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکرا بھی نہیں سکتا؟"وہ شرارت کرتے انداز میں بولا۔

"شوہر مسکرا سکتا ہے اپنی بیوی کو دیکھ کر لیکن مسکرانے کی وجہ بھی تو بتانی چاہیے نہ بیوی کو۔۔"کمر پر ہاتھ باندھتے ہوئے مہک نے آنکھوں کو ذرا چھوٹا کر کہ اُسے دیکھا تھا۔

"ایسے مت دیکھا کرو ورنہ اور محبت ہو جائے گی تم سے۔۔"وہ اُسے اتنا کہہ رہا تھا اور وہ ٹماٹر کی طرح سُرخ ہو رہی تھی۔

"ایک تو تم شرماتی بہت ہو۔"وہ اُسے تنگ کرتا محظوظ ہو رہا تھا۔

"اب اس شرمانے سے ہی پیٹ بھرنا ہے یاں کچھ کھانے کو بھی دو گی؟"

"خود ہی بنا کر کھا لیں آپ۔۔"وہ جھینپ سی گئی تھی۔

"اب اپنے شوہر کو تم کھانا بھی نہیں دو گی؟"عادل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسا کب کہا۔۔؟"

"ارے ابھی تو تم نے کہا۔۔"عادل اُس کی ایکٹینگ سے متاثر ہوا تھا۔

"نہا کر آئے ہیں ذرا کان بھی صاف کر آتے آپ۔۔"اب وہ محظوظ ہو رہی تھی۔

"توبہ توبہ شوہر کو ایسے کہتے ہیں؟"وہ اب واقعی میں حیران ہو رہا تھا۔

"آپ بتا دیں شوہر کو کیا اور کیسے کہتے ہیں کچھ بھی۔۔"وہ اپنی ہنسی دباتی بولی۔۔

"شوہر کو عزت سے کھانا بنا کر دیتے ہیں اُس کی بات مانتے ہیں اور۔۔"اب وہ مہک کی جانب دیکھتا خاموش ہوا تھا۔

"کیا اور۔۔۔"پلیٹ میں املیٹ ڈالتے ہاتھ ایک لمحے کو روکے وہ اُسے دیکھنے لگی تھی۔

"اور یہ کہ شوہر جب پیار سے بات کرے تو بیوی کو بھی پیار کرنا آنا چاہیے۔"ایک آنکھ دباتا وہ مہک کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"املیٹ والی پلیٹ میز پر رکھتی وہ کیچن میں جانے لگی تھی۔

"اب کہاں چل دی۔۔"عادل نے اُس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"چولہے پر چائے چڑھا کر آئی تھی۔۔"اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ بجلی کی سی رفتار سے ڈائننگ ہال سے غائب ہوئی تھی،عادل کا زور دار قہقہہ اُس نے اپنے پیچھے سُنا تھا۔

"یہ لڑکی بھی نہ۔۔"سر کو دائیں بائیں ہلاتا وہ مسکراتے ہوئے پلیٹ میں خود ہی املیٹ ڈالنے لگا تھا۔اُسے وقت پر آفس بھی پہنچنا تھا اور پھر۔۔۔؟ پھر اُسے کمال کے پاس بھی تو جانا تھا۔۔

کمال کا خیال آتے ہی چہرے سے وہ مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، مسکراہٹ کی جگہ سختی در آئی تھی۔
کچھ یادیں کچھ ماضی کے خیال ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ہنستے ہوئے بھی اندر ہی اندر گھٹنے لگتا تھا۔۔وہ بنا ماضی کو یاد کیے کھانا کھانا چاہتا تھا اُسے اس وقت تو باغرا کو یاد نہیں کرنا تھا۔۔

"عادل کل بازار چلیں۔۔" ڈائننگ ہال میں انٹر ہوتے ہوئے مہک نے عادل کو پکارا تھا۔

"ہاں۔۔" وہ جو کسی اور ہی خیال کے زیرِ اثر تھا مہک کی آواز سے چونکا۔

"میں نے کہا کل بازار چلیں کچھ سامان لینا اور ڈاکٹر کے پاس سے بھی ہو آئیں گے۔۔" کُرسی کھسکا کر وہ بیٹھی تو عادل نے اُسے دیکھا۔

"اسپتال تو تم میرے ساتھ آج ہی چلو گی میں دو بجے تک چھٹی لے کر گھر آجاؤں گا، باس سے میں نے چھٹی لے لی ہوئی ہے۔۔" فورک سے اُس نے املیٹ منہ میں ڈالا تھا۔

"پر آپ نے تو کمال کے پاس جانا تھا۔۔؟"

"اُس کے پاس خالہ ہیں نا، میں چار پانچ بجے چلا جاؤں گا اور خالہ کو ڈرائیور گھر لے آئے گا۔۔" اتنا کہہ کر وہ مہک کو دیکھنے لگا جو میز پر کہنی ٹکائے اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلی پر رکھے خاموشی سے کسی غیر مرئی نقطے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہوا کرو مہک وہ ٹھیک ہو جائے گا۔۔" عادل نے مہک کے میز پر رکھے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

"جب وہ ایک دم ٹھیک ہو جائے گا تو میں اُسے انڈیا سے کہیں بہت دور بھیج دونگی۔۔وہ ٹھیک رہنا چاہیے ، نظروں کے سامنے بیشک نہ رہے۔۔" اتنی بات کرتے ہوئے اُس کی آنکھوں کے پورے بھیگنے لگے۔۔۔

"بہت کچھ کرنا ابھی باقی ہے اس لیے جلدی سے کھانا کھاؤ۔۔"اُس کی بات سُن کر مہک نے حیرانی سے اُس کو دیکھا۔

"اب کاموں کا میرے کھانے پینے سے کیا تعلق؟"وہ سوالیہ نظروں سے عادل کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے میری پیاری سی بیگم پہلے ہی اتنا بیمار رہتی ہو۔۔ کھانا نہیں کھاؤ گی تو طاقت کیسے آئے گی اور اگر طاقت نہ آئی تو پھر میرے لیے کھانا کیسے پکاؤ گی؟"عادل کی بات سُن کر اُس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ابھی وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتی کہ اُس سے پہلے ہی عادل نے کہا۔

"اچھا اچھا اب کچھ مت کہنا میں ہوں ہی غلط مجھے پتہ ہے سب۔۔"اپنی غلطی تسلیم کرتا وہ اب نوالہ بناتے ہوئے اُسے کے منہ کے قریب کرتے مسکرایا تھا۔

"آں کرو۔۔"

"میں کوئی چھوٹی بچی ہوں۔۔؟"

"ہمم۔۔۔!اب کھولو منہ۔۔"عادل کی بات سُن کر مہک منہ کھولا تو عادل نے اپنے ہاتھ سے اُسے نوالہ کھلایا۔

"اب تم پیٹ بھر کے کھانا کھاؤ میں آفس کے لیے نکلتا ہوں لیٹ نہ ہو جاؤں کہیں۔۔"وہ اُٹھتے ہوئے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے باہر چلا گیا تھا۔

"دو بجے تک تیار رہنا میرے آتے ہی اسپتال کے لیے نکلنا ہے۔۔"صحن سے عادل کی اونچی آواز اُس کی سماعتوں سے واضح ٹکرائی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے آپ دھیان سے جایئے گا۔۔"مہک نے فوراً سے باہر کا رُخ کیا۔

"کھانا کھاؤ جا کہ میرے پیچھے کیوں آرہی ہو۔۔؟"عادل اُسے صحن میں آتا دیکھ فوراً بولا تھا۔

"آپ کو بائے بائے کرنے آرہی تھی۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا جی۔۔۔!" وہ ہنستا ہوا اُس کے قریب آیا اور اُس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

"دوائی بھی ٹائم سے کھا لینا اپنی، اس معاملے میں ذرا سی بھی لاپرواہی نہیں ہونی چاہیے اور خالی پیٹ کھانا بھی مت کھانا۔۔" عادل نے محبت سے کہا تو مہک نے سر اثبات میں ہلا یا۔

"میں اب چلتا ہوں۔۔ اللہ حافظ۔۔" دروازے کے اندرونی طرف کھڑی وہ اُسے گاڑی میں بیٹھتا دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ ہلاتا وہ اب گاڑی اسٹارٹ کرتا گلی سے باہر جا چکا تھا۔ مہک نے کافی دیر تک وہیں کھڑے رہ کر اپنی نظروں سے عادل کی گاڑی کا تعاقب کیا تھا۔

جب اُسے عادل کی گاڑی نظر آنا بند ہو گئی تو وہ دروازہ بند کرتی کھانے کے لیے ڈائننگ ہال میں چل دی، اُسے کھانا کھا کر کچھ کام کرنے تھے اور پھر اپنے اس بڑے سے گھر کی صفائی بھی خود ہی کرنا تھی، آج ملازمہ نے چھٹی کی تھی۔ ایک لمبا سانس لیتی وہ بس سوچ ہی سکی تھی۔

☆☆☆☆☆

"آیا اسے ہوش کے ابھی سوئی ہوئی ہے؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی نجمہ نے بولنا شروع کر دیا۔

"جی ماں آ گیا ہے ہوش اب وہ ٹھیک ہیں۔۔" نجمہ کی بات سُن کر سکینہ نے فوراً سے کہا۔

"تو اِسے بولو یہ ڈرامے چھوڑ کر کچھ کام ہی کر لے، ہمارے گھر میں حویلی کی طرح ملازم نہیں ہیں جو اس مہارانی کے آگے پیچھے بھاگے گے سب۔۔" ایک زہر خند نگاہ تھی جو زہرہ کو محسوس ہوئی تھی اور اُس نے اپنی آنکھوں پر سے بازو ہٹاتے ہوئے نجمہ کو دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو صحیح کہہ رہی ہوں میں۔۔ میں تو خود بیمار رہتی ہوں اپنا خیال مجھ سے رکھا نہیں جاتا تمہارا کہاں سے رکھوں گی اوپر سے نگینہ کی بھی بس اسی مہینے میں شادی کر دینی ہے، اور پیچھے بچی سکینہ وہ

کہاں ہر روز اسکول سے چھٹی کر کے تمہاری سیوہ میں لگی رہے گی؟ اس لیے بی بی وقت پر کھانا کھا کے دوائی کھا لیا کرو۔۔ ایک تمہاری حالت ایسی ہے اوپر سے اپنے کام دیکھو تم۔۔" نجمہ بولے جا رہی تھیں اور زہرہ بنا کچھ کہے خاموشی سے سب سُنتی جا رہی تھی۔

"ماں۔۔" سکینہ نے نجمہ کو پکارا۔ لہجے میں شکوہ تھا۔

"کیا ہے؟" بڑی تلخی سے کہتے ہوئے اُنہوں نے سکینہ کو دیکھا۔

"ماں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔۔۔" سکینہ نے ڈرتے ہوئے ہی کہا۔

"تو اب میں اُسے سمجھاؤں ہی نہ؟ ہیں۔۔۔۔؟؟" غصے سے پھنکارتیں وہ اب سکینہ کو باتیں سنانے لگی تھیں۔

"ایک تو یہ وقت پر کھانا نہیں کھاتی، دوائی نہیں لیتی۔۔ اگر کھانا نہیں کھائے گی دوائی بھی نہیں لے گی تو بیمار ہی ہو گی اور پھر بہانہ مل جائے گا کام نہ کرنے کا۔۔۔ بھئی ہم لوگ ملازم تھوڑی لگے ہیں۔۔۔" غصے کے ساتھ آواز بھی مزید اونچی ہوتی جا رہی تھی۔۔۔

"بھلائی کا کوئی زمانہ ہی نہیں اب بندہ کسی کو سمجھائے بھی نہ۔۔" غصے سے پیر پٹختی نجمہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"سکینہ مت جواب دیا کرو امی کو۔۔"

"پر بھابھی وہ آپ کو بلاوجہ ڈانٹ رہی تھیں۔۔"

"کوئی بات نہیں خیر ہے۔۔" زہرہ نے اتنا کہا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ نیچے اُترنے لگی تھی۔

"بھابھی آپ کو کچھ چاہیئے تو آپ مجھے بتا دیں میں لا دیتی ہوں آپ کو۔۔" سکینہ نے اُسے بیڈ سے نیچے اُترتے دیکھا تو فوراً سے بولی۔۔

"اب میں ٹھیک ہوں سکینہ میں خود کر لونگی تم ابھی چلی جاؤ اسکول اتنی دیر نہیں ہوئی۔۔۔" گھڑی کو دیکھتے ہوئے اُس نے کہا تو سکینہ نے بھی گھڑی کو دیکھا۔

"بھابھی نو بج گئے ہیں اگر اس وقت اسکول گئی تو ٹیچر بہت ڈانٹ لگائے گی۔۔ کوئی بات نہیں میں صبح چلی جاؤں گی۔۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔۔" اپنے ملگجے کپڑوں کو ہاتھوں سے سنوارتی ایک نظر اپنے عکس کو آئینے میں دیکھتی وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"بھابھی آپ نہا کر کپڑے بدل لو میں تب تک آپ کو کھانا لا دیتی ہوں۔۔" زہرہ نے اُسے دیکھا، کیا جذبات تھے اُس کے ؟ وہ معصوم سی بچی اُس سے محبت کرتی تھی، بنا کسی غرض کے بنا کسی لالچ کے۔۔

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا، کپڑے نکال کر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اُس کے پاس آئی۔ پیار سے اُس کے سر پر پیار دیتی اُس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

"اللہ تمہاری یہ معصومیت ہمیشہ ایسے ہی برقرار رکھے، اس دنیا کے ہاتھوں تمہاری خوشیاں ماری نہیں جائیں۔۔"

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی، زہرہ نہانے کے لیے باتھروم چلی گئی تھی اور سکینہ باورچی خانے میں۔

"کیا ہوا امی بھابھی کی طعبیت اب ٹھیک ہوئی ہے کہ نہیں؟" نل کے نیچے کپڑے دھوتی نگینہ نے اپنی ماں سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے اسے کیا ہو گا؟ ایسی لڑکیوں کو کچھ نہیں ہوتا، زمانے بھر کی خاک چھان کر بھی زندہ ہے اتنے سے مرے گی نہیں۔۔" کپڑے سمیٹ کر بیٹھتے ہوئے نجمہ نے نخوت سے کہا تھا۔

"پتہ نہیں بھائی کو اس میں کیا نظر آتا ہے، نہ اسے اپنے حُلیے کی کوئی ہوش ہے، نہ کھانے پینے کی، پتہ نہیں میرا بھائی کیسے گزارا کر رہا اس جیسی کے ساتھ۔" کپڑے کھنگالتی نگینہ نے منہ کے مختلف زاویے بناتے ہوئے کہا۔

"بس اس کے گھر والوں نے بھی اسے اپنے گھر سے رفع دفع کرنا تھا، اپنے کھونٹے سے کھول کر ہمارے گھر لا باندھی ہے، اس کا کوئی پتہ بھی نہیں کب یہ لال جھنڈا دکھا کر پھر اُڑن چھو ہو جائے۔" نجمہ نگینہ کو کپڑے دھوتی کو دیکھتے بول رہی تھیں جب وہ اُن کے پیچھے کھڑی خاموشی سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی۔

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ امی۔۔؟" زہرہ جو ہاتھ میں کپڑے لیے کھڑی تھی، نجمہ نے فوراً سے اُسے مُڑ کر دیکھا تھا، اُن کا ماتھا شکن آلود ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اُسی جگہ خاموشی سے کھڑی آنکھوں میں سوال لیے اُنہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

نجمہ نے اُسے مارے ڈر و خوف سے ایک نظر دیکھا۔ شاید اُس نے بات پوری نہیں سُنی تھی یاں اُسے کچھ یاد ہی نہیں تھا؟ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے اُسے کچھ یاد کیوں نہیں تھا؟

نجمہ نے اپنے دونوں لبوں کو زبان سے تر کیا۔ زہرہ کی آنکھوں میں سوال تھے اُن کا گلا خشک ہو گیا تھا اُنہوں نے تھوک نگلا اور اُس کے بعد اُنہوں نے زہرہ کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ اُس نے حقیقتاً کچھ نہیں سنا تھا یاں وہ باتوں کو محسوس کرنا بھول چکی تھی۔

"بھابھی یہ ساتھ والوں کی لڑکی کے بارے میں بات کر رہی تھیں امی، بہت عجیب لڑکی ہے وہ شادی سے پہلے لڑکے کے ساتھ بھاگنے کی پوری تیاری کر چکی تھی۔" ٹوٹی کو بند کرتے ہوئے نگینہ نے زہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نجمہ نے سُکھ کا سانس لیا تھا۔

"اچھا۔۔" اپنے سر کو ہلاتی زہرہ کپڑے تھامے نہانے کے لیے چلی گئی۔

"اس نے تو میرا سانس ہی خشک کر دیا تھا، کیسی لڑکی ہے یہ۔۔" اپنی چھاتی کو مسلتے ہوئے نجمہ نے گہرے سانس لیے تھے، اُن کا خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ زہرہ سے ڈرتی تھیں بلکہ وہ تو کسی اور سے ڈرتی تھیں اور وہ کون تھا؟

"ارے ماں وہ نہیں کہے گی کچھ اُسے تو خود کچھ یاد نہیں۔۔" نگینہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

"پتہ نہیں ہے جلال صاحب نے کیا کہا تھا؟ اس کے سامنے ماضی کی کوئی بھی بات نہیں کرنی، ورنہ اسے سب یاد آ بھی سکتا ہے اور اگر اسے سب یاد آ گیا تو۔۔۔" نجمہ نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"کچھ نہیں کرلے گی یہ۔ پھنسی تو بہت بُری طرح ہے یہ۔" شیطانی مسکراہٹ اُس کے چہرے سے واضح ہو رہی تھی۔

"اب چپ کر کے کام کرلے۔ یہ نہ ہو نہاتے ہوئے بھی یہ سب سُن لے، کوئی پتہ نہیں اس کا۔" دُھلے ہوئے کپڑوں کو تار پر سُکھانے کے لیے نجمہ کپڑوں میں سے پانی نچوڑتے ہوئے اُس سے کہہ رہی تھیں۔

سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے وہ دھیان سے کپڑے دھونے میں مشغول ہو گئی۔

کچھ ہی وقت گزرا تھا جب وہ نہا کر باہر نکلی۔ پرپل کلر کا سوٹ پہنے گیلے بالوں کو تولیے میں باندھے وہ کافی حد تک بہتر لگ رہی تھی، پاؤں میں کریمی رنگ کی چپل پہنے اُس کے سفید پاؤں بھی جوتے کے رنگ کے ساتھ مکس سے ہو رہے تھے۔

"بھابھی آپ کا ناشتہ میں نے کمرے میں رکھ دیا ہے۔۔" سکینہ نے اُسے کھانے کا بتایا اور نگینہ کے ساتھ کپڑے دھونے لگ گئی۔ زہرہ نے اُس کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور کمرے میں چلی گئی۔

"یہ روز روز اسکول سے چھٹی کرنا اچھی بات نہیں ہے، کل وقت پر اسکول جانا۔" نگینہ نے

کپڑے دھوتے دھوتے سرسری سا کہا تھا۔

"جی آپا۔۔" آنکھوں کو الگ طرح سے گول زاویے میں گھماتے ہوئے سکینہ نے منہ بگاڑا تھا۔

"یہی بات تیری چہیتی بھابھی نے تجھے کہی ہوتی تو بڑے آرام سے جواب دینا تھا تم نے۔" نگینہ کو اُس کا یوں منہ بگاڑے جواب دینا پسند نہیں آیا تھا۔

"آپا میں نے ایسا ویسا کچھ بھی نہیں کہا۔۔ پتہ نہیں آپ کو کیا مسئلہ ہے بھابھی سے وہ تو کچھ کہتی بھی نہیں ہیں۔" سکینہ نے ناخوشی سے کہا۔

"یہ جو تم اُس پر اتنا اندھا اعتبار کرتی ہو نا کسی دن تمہیں بھی بگاڑ دے گی وہ۔" نگینہ کی بات سُن کر اُس نے تاسف سے اُسے دیکھا تھا۔

"آپ کو وہ تو ویسے ہی پسند نہیں ہیں آپا، اسی وجہ سے آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔" سکینہ کی بات سُن کر نگینہ شعلہ بار نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"تم نے ابھی اُس کے رنگ نہیں دیکھے جب دیکھ لو گی نا تو روتے ہوئے میرے پاس مت آنا کہ آپا مجھ سے بھول ہو گئی۔"

"تو آپ اپنی توانائی برقرار رکھیں اُس وقت کے لیے جب میں آپ کے پاس روتی ہوئی آؤں گی اور آپ مجھے اُس وقت طعنے دے سکو گی۔"

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے سکینہ، اپنی عمر دیکھو اور اپنی زبان دیکھو، چار دن میں ہی اُس نے تمہیں بولنے کے تیور سیکھا دیے ہیں اب اور کیا ہی ثبوت چاہیے تمہیں کہ وہ تمہارے لیے صحیح نہیں ہے، اُس کی صحبت کا اثر ہے جو تمہاری زبان بنا سوچے سمجھے کچھ بھی بکے جا رہی ہے۔" نگینہ نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے دُھلے کپڑوں کو پکڑا اور اُسے وہاں سے جانے کا کہہ دیا۔

"آپا انسان کو موقع بھی دینا چاہیے اگر اُن سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اُسے سدھارنے کا موقع بھی ملنا چاہیے ایک ہی غلطی پر کسی پر اپنا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے، اللہ بھی ہمارے لاکھوں عیب چھپا کر رکھتا ہے وہ تو ہمیں نہیں کہتا کہ تم نے یہاں یہ غلطی کی تھی اس وجہ سے میں تمہیں اب کوئی موقع نہیں دونگا، اگر وہ اتنی بڑی ذات معاف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ہم تو اس کے بندے ہیں کیا اُس کی یہ با کمال صفات اپنا نہیں سکتے؟" اُس نے ایک لمحے کو رُک کر نگینہ کو دیکھا۔

"آپا آپ کوئی بات نہ سنتی ہیں اور نہ ہی سمجھتی ہیں، اتنی میل بھی دل میں رکھنا اچھی بات نہیں ہوتا، لوگوں کی بہوؤں کتنی جلاد قسم کی ہوتی ہیں اللہ پاک نے آپ کو اتنی اچھی بھابھی دی ہے اُس کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپ اُس کا جینا حرام کرنے

کا ہر حربہ آزما رہی ہیں۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔" اتنا کہتے ہی وہ نگینہ کی بات سنے بنا وہاں سے چلتی بنی۔ غصے سے نگینہ کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں تنفس بگڑ رہا تھا۔ ایک ہی جھٹکے سے اُس نے کپڑوں کو بالٹی میں پٹخا تھا۔

"اس کا کچھ تو علاج کرنا پڑے گا ایسے تو یہ سکینہ کو اپنے ہاتھوں پر ڈال لے گی۔" ماتھے پر آئے پسینے کو کلائی سے صاف کرتی وہ نخوت سے بولی۔

کپڑے دھونے سے اُس کا دل اُٹھ چکا تھا، اُس کا سارا سفید چہرہ غصے کی شدت سے لال ہو چکا تھا۔ زہرہ کے لیے نفرت مزید

بڑھ گئی تھی۔ انسان جسے پسند نہ کرتا ہو، اُس سے نفرت کرنے کے لیے ریت کے ذرے برابر بھی وجہ کافی ہوتی ہے۔

"کپڑے کیوں نہیں دھو رہی؟" نجمہ کپڑوں کو تار پر ڈال کر فارغ ہوتی اُس سے پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ماں دھو ہی رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر اُس نے اپنا سر جھٹکا اور کپڑے دھونے میں مشغول ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

"بھابھی آپ کو کچھ چاہیے؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی سکینہ نے زہرہ سے پوچھا تھا۔

زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اُس کا جواب سُن کر وہ خاموشی سے چلتی ہوئی اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"بھابھی آپ اپنے گھر میں کون سا کام زیادہ شوق سے کیا کرتی تھیں؟" کھانا کھاتی زہرہ رساً مسکراتے ہوئے بولی۔

"مجھے کتابیں پڑھنا اچھا لگتا تھا میں نے بہت سے ناولز پڑھے ہیں۔" آنکھوں میں پانی کی لکیر نظر آنے لگی تھی۔

"آپ کا آئیڈیل شوہر بھائی جیسا تھا؟ ہے نا؟ بھائی ہمارے کسی ہیرو سے کم تو نہیں ہیں۔۔" اتنا کہتے ہوئے سکینہ کی گردن فخر سے تن گئی تھی۔

اُس کی بات سُن کر زہرہ مسکرائی۔۔

"ہاں تمہارے بھائی بہت خوبصورت ہیں اس میں تو شک نہیں ہے۔۔"

"آپ کو بھائی اچھے لگتے ہیں؟" دل میں اپنے بھائی کی تعریف اپنی بھابھی سے سننے کو وہ بے تاب تھی۔

"ہاں۔۔" یک لفظی جواب آیا تھا۔

"سب سے زیادہ کیا پسند ہے بھائی میں؟"

"تمہارے بھائی کی مُڑی ہوئی لمبی پلکیں۔" جواب بنا سوچے سمجھے آیا تھا۔

"اوہہہہ۔۔۔" ہونٹوں کو گول سی صورت میں بنائے سکینہ نے کافی لمبا کہا تھا۔

اُس کی یہ حرکت دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے بھابھی مجھے بھائی سارے کے سارے اچھے لگتے ہیں، وہ بہت اچھے ہیں اور پیارے بھی ہیں۔" دونوں ہاتھوں کو گالوں کے نیچے ٹکائے وہ معصومانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اُس کی بات سُن کر زہرہ کھل کر ہنسی تھی۔

"بھابھی آپ سے ایک بات پوچھوں۔۔؟" کھانا کھاتا ہاتھ منہ کے پاس جا کر ایک لمحے کو رُکا تھا۔ منہ میں نوالہ ڈال کر زہرہ نے اُس سے اشارتاً پوچھا۔

"بھابھی، آپ کو ماں اور آپا اتنا ناپسند کیوں کرتی ہیں؟" اُس کا سوال سن کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی۔ پھر نارمل لہجہ رکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں کہ ہر انسان اس دُنیا میں آپ کو پسند کرے ایسا لازم نہیں ہے، ہر انسان کی پسند کا کرائیٹیریا الگ ہوتا ہے۔ کسی کو ظاہری خوبصورتی والے انسان پسند آتے ہیں اور کسی کو انسان کی سیرت بھاتی ہے۔ تو ہر انسان کو آپ خوش بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جن کے ساتھ عمر گزارنی ہو اُن کے لیے تھوڑا بہت بدلا جا سکتا ہے۔" چھت پر پنکھا ہولے ہولے سے چل رہا تھا۔

"اس وجہ سے آپ بدل گئی ہیں؟" اُس کے سوال پر اُس نے کندھے اچکا دیے۔

"شاید اور شاید نہیں، شاید اس وقت میں مجھے ایسا ہی بننا تھا۔ کوئی بھی انسان ساری عمر ایک سا نہیں رہ سکتا یاں تو وہ بگڑ جاتا ہے یاں سنور جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک اور اوپشن ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے سمجھوتا کرنا۔ میں نے شاید سمجھوتا کر لیا ہے سکینہ۔" اُس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"سمجھوتا۔۔ سمجھوتا کیا ہوتا ہے بھابھی؟" سکینہ کو سمجھ نہیں آیا تھا شاید۔

"جب کوئی اور اوپشن نہ ہو تو آپ کے پاس جو بھی ہو آپ کو اُسی کے ساتھ خوش رہنا پڑتا ہے آپ مزید کسی خواہش کو اپنے دل میں پروان نہیں چڑھا سکتے۔"

"تو کیا سمجھوتا کرنا اتنا ضروری ہوتا ہے؟" سورج باہر اپنی آب و تاب پر چمک رہا تھا۔

"شاید، اپنوں کی خوشی کے لیے آپ کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، خوشی نہ سہی تو انا کی خاطر کرنا پڑتا ہے۔ خلاصا یہ کہ کسی نا کسی چیز کے لیے اور کبھی نا کبھی انسان کو سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس دُنیا میں کوئی ہی ایسا انسان ہو گا جسے کبھی سمجھوتا نہ کرنا پڑا ہو۔ بچوں تک کو کرنا پڑتا ہے، کبھی اپنے من پسند کھلونے کے لیے تو کبھی اپنے بہن بھائی کی خوشی کے لیے۔" اُس کا ناشتے سے دل اچاٹ ہو چکا تھا۔

"بھابھی لیکن میں نے تو آج تک ایسا سمجھوتا نہیں کیا جس میں مجھے کچھ کھونا پڑے، نہ ہی اپنی کوئی چیز چھوڑی ہے۔ اس کا مطلب میں نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔؟" اُس کے سوال پر زہرہ نے حیرت سے سکینہ کو دیکھا۔

"تو تم یہ چیز ایکسپیر ئینس کرنا چاہتی ہو؟" تعجب سے اُس کی آنکھوں کی پتلیاں مزید پھیل گئی تھیں۔ سکینہ نے گھبرا کر زہرہ کے بگڑے تاثرات کو دیکھا۔ اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

"ارے نہیں بھابھی۔۔ میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی کہ میں نے سمجھوتا نہیں کیا۔۔" اب اُسے اپنے ہی سوال پر شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"جو چیز ہمیں دیکھنے میں آسان لگ رہی ہوتی ہے وہ کرنے میں اُتنی آسان نہیں ہوتی سکینہ، اس لیے اللہ پاک جس بھی حال میں رکھے خوش دلی سے اُسی حال میں رہ لینا چاہیے، بعض اوقات اُس سے سوال کرنا آپ کو بہت بھاری پڑتا ہے۔"

برتنوں میں آدھا کھانا ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا۔

"بھابھی کچھ لوگوں کو ایسی چیزوں سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اُن کو بہت محبوب ہوتی ہیں تو اُن کو اُس چیز پر رنج نہیں کرنا چاہیے؟" زہرہ نے اُسے دیکھتے ہوئے سر کو ذرا سا خم دیا تھا۔

"تو اللہ پاک کو کیسے پتہ چلے گا کہ اُس کا بندہ تکلیف میں ہے؟" اُس کے سوال پر زہرہ نے اپنے ہاتھوں کو صاف کیا۔

آہستہ سے ہاتھ کو اُس کے قریب کرتے عین اُس کے دل کی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ ایک سچے مومن کے دل میں بستا ہے۔۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا وہ ہی سمجھ نہیں پائے گا کہ میرے بندے کے رنج کی وجہ کیا ہے؟ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ دکھ میں ہوتا ہے تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اُسے ہر چیز رنج میں غرق کرنے لگتی ہے اور اُس انسان کو خود اس سب کی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رُکی تھی، تھوڑے سے توقف کے بعد وہ پھر سے بولی۔

"لیکن اللہ کو پتہ ہوتا ہے اُسے سب پتہ ہوتا ہے سکینہ۔۔" سکینہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن جھکائے اپنی جھولی میں پڑے ہاتھوں کو۔

"ابھی تم چھوٹی ہو لیکن سوال تمہارے بہت اچھے ہیں۔۔" اتنا کہہ کر اُس نے تھال میں برتن سمیٹے۔

"کتابیں پڑھا کرو۔۔ مزید سوال اچھے ہونگے اور کئی بار سوالوں کے جواب بھی مل جائیں گے۔" اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے اُس نے کہا۔

"کون سی کتاب پڑھوں۔۔؟" اُس کے سوال پہ زہرہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"ابھی تم قرآن پڑھو، اُسی سے زیادہ سیکھو گی۔"

"کیا قرآن۔۔" سکینہ نے اچھنبے سے اُس کی جانب دیکھا۔

"ہمم۔۔" پاؤں میں جوتا اڑستے ہوئے زہرہ نے سرسری سا کہا۔

"پر قرآن میں کہانیاں تو نہیں ہیں۔۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"میں نے کب کہا کہ قرآن کہانیوں کا مجموعہ ہے؟" وہ برتن وہیں میز پر رکھتے ہوئے اُس کے پاس ہی بیٹھ

گئی۔

سکینہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اچھا میری بات سُنو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آج تک کوئی ایسی کتاب کسی نے لکھی ہے جس میں کہیں بھی گرامیٹیکل مِیسٹیک نہ نکلی ہو؟ یاں اُس پر لوگوں کے اعتراضات نہ ہوں؟" زہرہ کے سوال پر سکینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا کبھی قرآن میں کوئی غلطی نظر آئی ہے، ایک زیر یا زبر کی بھی؟" سکینہ نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"یاں کبھی سُنا ہو کہ اس میں یہ فلاں والی کہانی کتنی سبق آموز ہے؟" سکینہ نے ایک بار پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا کبھی یہ سُنا ہے کہ قرآن میں موجود یہ واقع کتنا اہم ہے اور اس سے لوگوں نے ہدایت پائی؟ اور یہ ایک خاص خزانہ ہے جو مسلمانوں کے پاس ہے؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد سکینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایسا اس وجہ سے ہے کیوں کہ یہ حقائق پر مبنی کتاب ہے نہ کے من گھڑت کہانیاں۔ حقائق بھی وہ جو خدا نے خود بیان کیے ہیں، واقعات وہ ہوتے ہیں جو حقیقت میں کسی نا کسی دور میں پیش آئے ہوتے ہیں، جبکہ کہانیاں وہ ہوتی ہیں جو انسان خود سے اخذ کر لیتا ہے، جن میں سب کچھ انسان کا اپنا سوچا سمجھا ہوتا ہے، اور اگر کہیں کچھ حقیقت ہو بھی تو اَسی فیصد چانسز ہوتے ہیں کہ اُس میں کچھ نا کچھ اُس نے خود سے اخذ کیا ہو گا۔ جب کہ قرآن میں ایسا نہیں ہے۔۔"

"قرآن میں ہر چیز حق سچ پر مبنی ہے۔" اُس نے ایک لمحے کو اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سمجھ آرہی ہے؟" سکینہ نے فوراً سر کو اوپر نیچے زور زور سے ہلایا۔

"اچھا ایک اور چیز کیا تمہیں آیت کا مطلب پتہ ہے؟" ایک بار پھر سکینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"آیت کا مطلب نشانی ہوتا ہے، مطلب اگر آپ قرآن پڑھتے ہیں تو اُس میں موجود چیز آپ کے آج اور آنے والے کل کو ڈیفائن کرتی ہے۔"سکینہ نے اپنی بھنوؤں کو اوپر اُٹھاتے ہوئے سمجھنے کے انداز سے سر کو ہلایا۔

"تو جب تم **قرآن باترجمہ** پڑھو گی تب تمہیں اپنے سارے سوالوں کے جواب بھی ملنا شروع ہو جائیں گے۔"سکینہ نے نظریں اُٹھائیں تو سامنے دیوار میں نصب الماری پر نظر پڑی جو کھلی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے بھابھی ڈیئلی ہم قرآن پڑھا کریں گے، آپ کریں گی ہیلپ؟"سکینہ کافی پُر اُمید تھی۔

"ہاں ضرور۔۔"

زہرہ کے اتنا کہنے کی دیر تھی وہ خوشی سے جھوم اُٹھی۔۔۔

"ٹھیک ہے بھابھی۔۔"اُسی خوشی میں جھومتی وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔زہرہ وہیں بیٹھی تھی خاموشی سے، نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمائے، شل دماغ کے ساتھ، آگے کیا ہونے والا ہے اُس سے انجان۔۔

"آگے کیا ہو گا اس سے تو ہر انسان بے خبر ہوتا ہے، مگر کوئی انہونی ہونے والی ہو تو شاید دل میں پہلے سے ہی ڈر و خوف بیٹھ جاتا ہے۔اُسے بھی وہی ڈر محسوس ہو رہا تھا، خوف اُس کے سراپے پر سرایئت کر گیا تھا۔اپنے خوف کو کہیں دور جھٹکتے وہ

اُٹھی اور باہر کو چل دی۔برتن اُس کے ہاتھ میں تھے۔

جب وہ باہر نکلی تو نجمہ اور نگینہ کپڑے دھو چکی تھیں۔

"مجھے کل اپنے گھر جانا ہے ماں کی بہت یاد آرہی ہے۔" کھانے والا تھال اُس نے ہاتھ میں ہی تھام رکھا تھا۔

"کس خوشی میں جانا ہے؟ پرسوں اتوار ہے اور اُس دن نگینہ کے سسرال والوں نے بھی آنا ہے؟ کام کتنا ہے پتہ بھی ہے؟ پھر بھی جانا ہے؟ اگلے ہفتے چلی جانا۔ اس ہفتے ممکن نہیں ہے۔" باہر رکھے لکڑی کے تختے پر بیٹھے ہوئے نجمہ نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے اپنی چادر کو کان کے پیچھے اڑسا۔

اُن کا لہجہ بہت سخت تھا، آنسوؤں کا پھندا اُس کے حلق میں اٹک سا گیا تھا۔

"اب یہاں بت بن کر کیا کھڑی ہو؟ جاؤ برتن رکھو کیچن میں اور ایسے ہی مت رکھ آنا ان کو دھو کر سمیٹ کر آنا۔" بھیگی نم آنکھوں سے ایک آنسو گالوں پر پھسلا تھا۔

"جی" کہہ کر وہ کیچن کی طرف بڑھ گئی۔

کیچن میں داخل ہوتے ہی اُس نے ایپرن پہنا، برتن نل کے نیچے کیے، آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، وہ اُن کو صاف کرنے کی بھی زحمت نہیں کر رہی تھی۔

اس گھر میں بس دو لوگ ہی اُس کے لیے محسن جیسے تھے جن سے کھل کر وہ بات کر سکتی تھی، شاہد اور سکینہ۔

"برتنوں کو اسپنج کی مدد سے صابن لگاتے وہ روئے جا رہی تھی۔

اپنے گھر میں اُس نے کبھی برتن ادھر سے اُٹھا کر اُدھر نہیں رکھا تھا اور یہاں؟ سچ کہتے ہیں عورت کے نصیب ہی اس بات کو طے کرتے ہیں کہ وہ اگلی زندگی میں خوش رہے گی یاں دکھ اُس کی زندگی میں مقدر بن کر آئیں گے۔

کھڑکی سے باہر اُس نے دیکھا، نجمہ آرام سے بیٹھی نگینہ کو فروالہ کھلا رہی تھیں، جسے عام زبان میں اسٹرابیری کہتے ہیں۔

"کھا لے میرا بچہ، ابھی سے کھاؤ گی تو صحت اچھی رہے گی۔۔" اُن کی بات سُن کر زہرہ کو مزید رونا آیا

تھا۔

ماں زندگی میں ہونا دنیا کی سب بڑی نعمت ہے، جیسے ایک ماں اپنی اولاد کا خیال رکھ سکتی ہے کوئی کسی کا نہیں سکتا اور جب ایک ماں اپنے بچوں میں فرق کرتی ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اُس نے برتن دھوئے، برتنوں کو شلیف میں سجاتے ہی اُس نے ایپرن اُتارا اور نم آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب قدم اُٹھاتی وہ برآمدے سے نجمہ اور نگینہ کے سامنے سے گزری۔ اُن دونوں نے نخوت سے اُسے دیکھا تھا۔

اُن کی دھتکار بنا دیکھے بھی وہ محسوس کر سکتی تھی۔

خاموشی سے بنا کچھ کہے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی، باہر بیٹھیں نجمہ اور نگینہ ابھی تک فروالہ کھانے میں مصروف تھیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا، خاموشی سے۔

کسی کا بہت اچھا اور کسی کا تکلیفوں میں لپٹا ہوا۔ وقت جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

10 مرلے کے گھر میں، جس کے صحن میں سفید مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئیں تھیں، گھر میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ چند گز کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں ایک جھولا اور کچھ پھول کھلے ہوئے تھے۔

سفید شلوار اور آتشی گلابی رنگ کی قمیض جس پر بھر بھر کر کڑھائی کا کام ہوا تھا پہنے، بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں مقید کیے چند ایک لٹیں آذاد گالوں کے آس پاس لہرا رہی تھیں اور وہ باغیچے میں لگے پھولوں کو آب پاش سے پانی دے رہی تھی، جب اُسے باہر کار کے رکنے کی آواز آئی۔

خوشی سے اُس نے آب پاش کو نیچے گھاس پر رکھتے ہوئے اپنے گلے میں لپٹے دوپٹے کو لگی گرہ کھولی۔

قمیض کے دامن کو ہاتھوں سے صاف کرتی جو چند ایک سلوٹیں تھیں اُنہیں ٹھیک کرتے کرتے وہ

دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی جب دروازہ کھٹکا۔

"آرہی ہوں۔۔" یہ کہہ کر اُس نے تیزی سے قدم اُٹھائے اور دروازے کا ایک پٹ کھولا۔

باہر عادل ہاتھ باندھے اُسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"آگئے آپ۔۔؟" عادل کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے وہ ایک سائیڈ ہوئی بولی۔

"جی بیگم صاحبہ میں تو آگیا ہوں لیکن آپ کب تک تیار ہو نگی؟ ڈاکٹر کا اپوائنٹمنٹ تھا آج ہمارا، اگر آپ کو یاد ہو تو۔" آنکھوں پر لگا کالا چشمہ اُتارتے ہوئے اُس نے ایک نظر مہک کو سر تا پاؤں دیکھا۔

"تیار ہوں میں۔" عادل اُسے ہی دیکھتے گھر کے اندر داخل ہوا۔

"جی دیکھ رہا ہوں میں، آپ پیاری لگ رہی ہیں۔" اُس کی بات سُن کر وہ شرمائی تھی۔

"چلیں۔۔؟" اُس کے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اُس نے کہا اور مہک نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں اپنی چادر لے آؤں پھر چلتے ہیں۔"

"اچھا آپ لے آؤ میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں آپ کا۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اتنا کہہ کر وہ دوپٹہ لینے کے لیے کمرے میں چلی گئی اور عادل گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

گھر سے باہر نکلتے عادل کو کچھ یاد آیا تو وہ دوبارہ سے اندر داخل ہو رہا تھا جب اُس کے فون پر ایک میسج ریسیو ہوا۔

اپنی پینٹ کی پاکٹ میں سے اُس نے فون نکالتے ہوئے سرسری سا میسج کو دیکھا۔ اب وہ گھر کے اندر کھڑا تھا۔

تعجب سے اُس کی آنکھوں کی پتلیاں سُکڑی تھیں۔

اُس نے میسج کو زیر لب پڑھا تھا۔ ایک ایک لفظ پڑھتے ہوئے اُس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات مزید بڑھتے جا رہے تھے۔

وہ کسی ساکت پُتلے کی طرح بنا کوئی حرکت کیے وہیں کھڑا بار بار اُنہی الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

مہک خود کو چادر سے ڈھانپے باہر نکلی تو عادل کو اتنا شاکڈ سا کھڑا دیکھ وہ آہستہ سے قدم اُٹھاتی اُس کے قریب ہوئی۔

اُس کے چوڑے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے عادل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا عادل اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں سب ٹھیک ہے؟"

عادل نے آنکھوں میں استعجاب لیے مہک کو دیکھا۔

"اسپتال سے میسج موصول ہوا ہے۔" مہک نے اپنی بھنوؤں کو سکوڑا۔

"کس کا میسج ہے؟"

"""خالہ کا میسج ہے۔" کسی میکانکی سی کیفیت میں کہتا وہ کبھی فون کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اپنے سامنے کھڑی مہک کو۔

"کیا میسج آیا ہے؟ کمال تو ٹھیک ہے نا؟" سب سے پہلے اُسے اپنے بھائی کی ہی پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

عادل نے اپنا نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کمال سے جلال ملنے آیا ہوا ہے اسپتال میں۔۔" مہک نے اچھنبے سے عادل کو دیکھا۔

"پر وہ۔۔" الفاظ اُس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے تھے۔

وہ ابھی تک کسی صدمے میں تھا۔

"مجھے اسپتال جانا ہے مہک۔ تمہیں بعد میں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔" اتنا کہتے ہی وہ باہر نکلنے لگا تھا

ھاجب مہک نے پیچھے سے کہا۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلو عادل۔"

عادل نے بس اُسکو ایک نظر دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے وہاں کسی کے سامنے بھی نہیں لانا چاہتا تھا۔

مہک کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اُسے ایک آخری نظر دیکھتا وہ گھر سے نکلتے گاڑی میں بیٹھا۔

چند ہی ثانیے لگے تھے اُسے اور وہ مہک کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پریشانی کی وجہ سے اُس نے کتنا وقت داخلی دروازے کے پاس کھڑے رہ کر گلی کے آخری سرے کو گھورنے میں ضائع کیا تھا۔

آنسوؤں کی وجہ سے اُسکی آنکھوں سے اُسے کچھ واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔

آہستہ سے دروازے کو بند کرتی وہ بھاری ہوتے قدموں سے کمرے میں چلی گئی تھی۔

اُس کا سکون جیسے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ کچھ چیزیں انسان بار بار افورڈ نہیں کر سکتا۔

ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ آدھے گھنٹے میں ہی اسپتال پہنچ گیا تھا۔

اخلاقیات سے گری حرکت کرنے والوں سے بھی اُتنا ہی خوف آتا ہے جتنا ایک خونخوار جانور سے۔ ایسے لوگ آپ کی عزت پر وار کرتے ہیں اور خونخوار جانور آپ کی جان پر۔

لیکن اگر عزت چلی جائے تو جان کی کیا ضرورت؟ اور وہ تو دونوں طرح سے خسارے میں تھے۔

عزت بھی چلی گئی اور جان بھی۔۔۔۔!

اُس کا دوست تو زندہ تھا لیکن مردوں سے کم بھی نا تھا۔

☆☆☆☆☆

(جاری ہے۔۔)